Paper – II

سوال:- علامہ اقبال کی نظم "ساقی نامہ" کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے۔

جواب:- اردو شاعری میں 'ساقی نامہ' لکھنے کی روایت نہایت قدیم ہے۔ اس قسم کی نظموں کا مزاج عام طور پر التجائی ہوتا ہے جس میں شاعر یا تو خالق کائنات سے یا کسی دوسری ایسی بزرگ ہستی کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے جس کی ذات والا صفات بخشش وعنایت کا مرکز ہوتی ہے۔ ایسی نظموں میں شاعروں نے اپنے حالات کی نامساعدت کا تذکرہ کیا ہے اور صورت حال کو بدل دینے کی التجا کی ہے۔ اقبال کی پیش نظر نظم "ساقی نامہ" کا مزاج بھی یہی ہے۔ اس نظم کا آغاز موسم بہار کی آمد آمد کے تذکروں سے ہوتا ہے۔ یہ وہ موسم ہے جس میں فطرت اپنے تمام رفیقوں کو منظر عام پر لے آتی ہے اور ہر طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اقبال نے اس نظم میں اپنی شعری فکر کو بحال رکھتے ہوئے ملی معاشرے میں صحت مند تبدیلی لانے کی آرزومندی کا اظہار کیا ہے۔

"ساقی نامہ" میں کل سات بند ہیں۔ جس کے پہلے بند کے ابتدائی چار اشعار میں بہار کی آمد کا ایک دلکش نظارہ پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعد کا شعر یہ ہے:

یہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی

یہ ایک فکر انگیز استعارہ ہے۔ یہاں جوئے کہستاں زندگی کے مضبوط استعارہ کا کام انجام دیتی ہے۔ جس کی بنیاد پر شاعر اس آرزو کا اظہار کرتا ہے:

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز
وہ مئے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مئے جس سے ہے مستی کائنات

اور اس آرزو کا اظہار بھی شاعر نے اس لئے کیا ہے کہ اسے اس کا واضح ادراک ہو چکا ہے کہ پرانے رسم ورواج ختم ہو چکے ہیں۔ وقت میں ایک انقلابی تغیر پیدا ہوا ہے۔ خواب غفلت میں مبتلا قوم بیدار ہونے لگی ہے۔ چنانچہ

Scanned with CamScanner

اس صورت حال میں قوم مسلم کو اسی بے حسی، بے عملی، بے علمی اور غفلت کے ماحول سے نکل کر میدان عمل میں آجانا چاہیے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ:

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

ایک زندگی سے بھری ہوئی انفرادی انسانی وجود کے لئے ضروری ہے۔ اقبال کو شکوہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ اصل خصوصیت ختم ہو گئی کہ جس کی وجہ سے وہ پہلے کبھی دین و دنیا میں سربلند تھے۔ وہ کہتے ہیں:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال نے دور حاضر کے انقلابات کے پس منظر میں اسلام پسندوں کی غفلت کا ماتم بھی کیا ہے کہ یہ کیسا اندھیر ہے کہ عشق حق کی آگ بجھ گئی اور مسلمان راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔ یعنی مسلمان میں حرارت کی جو بھی دولت تھی وہ عشق حق کی بدولت تھی اور اس کے ضائع ہو جانے سے مسلمانوں کی قدر و قیمت بھی جاتی رہی۔

تیسرے بند میں اقبال نے نونہالان اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے زندگی کی اصل قوت اور اس کے مزاج کی طرف اشارہ کیا ہے اور تلقین کی ہے کہ زندگی کی کامیابی مسلسل جدوجہد سے ہے اور اس کے لئے شدت شوق اور جذبہ عشق بے حد ضروری ہے۔ جس نے ماضی میں حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ جیسی شخصیتیں پیدا کی تھیں۔

نظم کے چوتھے بند میں اقبال نے حقیقت حیات کو بے نقاب کیا ہے۔ انھوں نے زندگی کو ایک مسلسل رواں دواں قوت تصور کیا ہے اور پانچویں بند میں یہ وضاحت کی ہے کہ:

فریب نظر ہے سکون و ثبات

تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود

کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

اقبال کے نزدیک سکون مردہ ہو جانے کی علامت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کائنات میں ہر ذرہ تڑپ

رہا ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا بے عمل بیٹھے رہنا کسی بھی طرح مستحسن نہیں۔ وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ خالق کائنات نے امت مسلمہ کو تکمیل کائنات کی ذمہ داری عطا کردی ہو۔ اقبال کا خیال ہے کہ عملی سرگرمی ہی دنیاوی زندگی میں سرخروئی اور کامرانی کا سبب بنتی ہے اور اگر یہی صفت پھر مسلمانوں کے اندر آجائے تو انہیں پھر گزشتہ وقار نصیب ہو سکتا ہے۔

نظم کے پچھلے بند میں اقبال نے اس کی وضاحت کی ہے کہ عملی سرگرمیوں کو خودی کے زور پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے کیوں کہ یہی راز درون حیات بھی ہے اور یہی بیداری کائنات بھی ہے۔ یہ وہ قوت ہے کہ جس کی ضرب پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ قوت مسلمانوں کے دلوں میں یوں ہے کہ:

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

نظم کے آخری حصے میں اقبال نے قوت خودی کی خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

خودی کی ہے یہ منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

اقبال کا عقیدہ ہے کہ اگر خودی کو رہنما بنایا جائے تو عمل، ارتقا کے دوران لازوال بن جانے کا امکان بھی ہے۔ زمان ومکاں کی پابندیوں پر قابو پالینے کی امید بھی ہے۔ اقبال نے زندگی کی بنیاد کو روحانی تصور کیا ہے۔ انسانیت کا جو تصور ان کے نزدیک ہے اس میں بڑی آفاقیت ہے۔ اس سے تخلیق آدم کے مقصد کا راز آشکارا ہوتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے اقبال کی یہ نظم نہایت جامع اور فکر انگیز ہے۔ اس میں اقبال نے ملی معاشرے کے زوال کی فریاد بھی کی ہے اور مستقبل کے سلسلے میں بہترین ماحول کی تشکیل کی آرزومندی کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کو علم عمل اور جدوجہد کا شعار اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔

Imran 20/4/2020

***